حضرت مولانا سید تصدق بخاری گوجرانوالہ

متعہ کا پس منظر اور پیش منظر

حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی کے درس ترمذی الحق شمارہ ۱۰ جولائی ۱۹۹۳ء میں متعہ سے متعلق ایک جامع، مفصل بحث اور اچھے خاصے علمی نکات آگئے ہیں۔ اس سلسلہ میں کچھ مزید معلومات بھی ارسال خدمت ہے (سید تصدق بخاری)

درحقیقت شیعہ حضرات کا مروجہ متعہ اسلام کا متروکہ متعہ نہیں۔ شیعہ حضرات کا اختراع کردہ متعہ کسی دور میں بھی جائز قرار نہیں دیا گیا یہ تو زنا کا تحریف شدہ نام ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ شیعی متعہ کا جواز اولاً دین مجوس میں ثانیاً دین ہنود میں ملتا ہے چنانچہ ایرانی اکاسرہ میں چند نام ایسے ملتے ہیں کہ جب بادشاہ کی جائز اولاد میں تخت کا کوئی وارث نہ رہا تو عظماء فارس نے متعہ سے پیدا شدہ اس کے لڑکے کو تلاش کر کے لا کر تخت پر بٹھا دیا۔ پھر ایران کے راستہ سے متعہ ہندوستان میں آپہنچا تو یہاں متعہ کو نیوگ کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ نیوگ یہ ہے کہ ہندوؤں میں جب کوئی آدمی صاحب اولاد ہونے کے قابل نہ ہو یا خاوند چھوٹی عمر کا ہو تو وہ اپنی بیوی کو ایک اچھے خوبصورت تنومند نوجوان کے پاس بھیج دیتا ہے اور بار آور ہونے پر پھر اسے واپس لے آتا ہے ہندوؤں کے ہاں نیوگ سے پیدا ہونے والا بچہ بڑا سعادت مند سمجھا جاتا ہے۔ گویا متعہ کی فضیلت ہندوؤں میں بھی موجود ہے۔ الغرض شیعی متعہ کی اصل مجوس سے لی گئی ہے متعہ کا پس منظر یہ ہے کہ یہ ایرانی سوسائٹی کا عمل ہے جس کو عبادت متعہ کہا جاتا ہے اور جس کے فضائل بیان کیے جاتے ہیں اس کی اصل عرب میں نہیں بلکہ اسلام سے پہلے کے فارس کے ساسانی نظام معاشرت سے لی گئی ہے۔ وہاں شادیاں دو قسم کی ہوا کرتی تھیں۔ ایک مستقل اور ایک عارضی۔ مستقل شادی کے لیے میاں بیوی کے لیے پہلوی زبان میں شود اور زن کے الفاظ استعمال ہوتے تھے۔ اور عارضی شادی کی صورت میں شوہر اور بیوی کے لیے میرک اور زیانگ کی قانونی اصطلاحات تھیں۔ انظر، معالم القرآن ص۸۲ ج ۵۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ قانونِ ساسانی ج اص۲۶ و ما بعد۔
شیعہ حضرات کا مروجہ متعہ اسلام کے کسی دور میں کبھی بھی جائز قرار نہیں دیا گیا بلکہ اسلام نے اسے ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دیا ہوا ہے جیسا کہ حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے درس ترمذی میں حوالہ جات سے یہی ثابت کیا ہے۔

علامہ جصاصؒ جید و ثقہ و متفق سند کے ساتھ رقمطراز ہیں کہ۔ امیر با توقیر حضرت عمر فاروقؓ سے جب متعہ کی بابت استفسار کیا گیا تو آپ نے صاف صاف فرمادیا۔ ذلك السفاح۔ یہ زنا ہے احکام القرآن للجصاصؒ ج ۲ ص۱۴۱۔

اسی صفحہ میں ہشام بن عروہ کی اپنے والد ماجد سے یہ روایت بھی مرقوم ہے کہ۔

كان النكاح المتعة بمنزلة الزنا۔	متعہ تو زنا کے قائم مقام زنا ہی کا دوسرا نام ہے۔

لغت عربی کے امام علامہ ابن منظور افریقی علیہ سحائب الرحمۃ والرضوان ارقام فرماتے ہیں۔

ومن زعم ان قوله ۔ فما استمتعتم به منهن التی هی الشرط فی التمتع الذی یفعله الرافضة فقد اخطاء خطاءً عظیماً لان الآية واضحة بلينة ۔ لسان العرب ج ۸ ص۳۲۹	جو شخص یہ گمان کرے کہ آیت تمتع سے جس متعہ کا جواز روافض نے نکالا ہے وہ درست ہے تو اس نے ایک عظیم غلطی کا ارتکاب کیا ہے، کیونکہ آیت واضح اور بین ہے۔
فاما المتاع فی الاصل فکل شئ ينتفع به ۔	اصل میں ہر وہ چیز متاع ہے جس سے فائدہ حاصل کیا جائے۔
قال الازهری: المتاع فی اللغة کل ما انتفع به فهو متاع (لسان العرب ج ۸ ص۳۲۹)	ازہری نے کہا لغت میں ہر وہ چیز متاع ہے، جس سے فائدہ اٹھایا جائے۔

پھر ایک فائدہ جائز ہوتا ہے اور ایک ناجائز۔ متعہ بھی متاع سے ہے لیکن یہ ہر دور میں ناجائز رہا ہے۔

جو متعہ اسلام کے ابتدائی دور میں جائز تھا وہ یہ کہ مجاہد اسلام کفار سے جنگ کے دوران کسی عورت کو چند دنوں کے لیے کپڑے دھونے اور کھانا وغیرہ تیار کرنے کے لیے مزدوری پر رکھ لیتے

تھے لیکن جنسی استلذاذ اس وقت بھی حرام تھا اور وہ بھی اسے حرام ہی سمجھتے تھے۔ یہاں کپڑے دھونے اور کھانا وغیرہ تیار کرنے کو متعہ کہا گیا ہے۔

اسلام میں غیر عورت کے ہاتھوں سے اس قسم کا فائدہ حاصل کرنا بھی نا جائز ہے اس لیے اس سے بھی نبی علیہ السلام نے منع فرما دیا تھا اور ممانعت کا اعادہ اس کی تاکید اکید کے لیے تھا۔ جنسی لذت کے حصول کا متعہ تو اسلام میں کبھی جائز نہیں ہوا وہ تو مؤبدانہ طور پر شروع سے ہی حرام چلا آرہا ہے۔ رہا حبرالامت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو اس متعہ کے جواز کے لیے پیش کرنا تو وہ اس لیے قابل قبول نہیں کہ وہ نبی ؑ کی رحلت کے وقت بارہ تیرہ سال کے تھے لہٰذا یہ ان کے بچپنے کی روایت ہے۔ حضرت عمرؓ جیسے جید فقیہ امت کے مقابلہ میں بچے کو فقیہ نہیں مانا جا سکتا۔ ملاحظہ ہو۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ص۳۳۰ ج ۲

الاستیعاب علی ھامش الاصابۃ ص۳۵۱ ج ۲

(بقیہ ص۱۹ سے)

کھانے سے پانچ اور چھ افراد بھی سیر ہو سکتے ہیں۔ جیساکہ کنزل العمال میں معجم کبیر طبرانی کے حوالے سے اسی مضمون کی حدیث قریب قریب حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ فاجتمعوا علیہ ولا تفرقوا الگ الگ نہ کھایا کرو بلکہ جڑ کر اجتماعی طور پر اکٹھا کھایا کرو اس اضافہ سے معلوم ہوا کہ باب کی دونوں حدیثوں کا مدعا بھی یہی ہے کہ لوگ اجتماعی طور پر ایک ساتھ کھایا کریں اور اس کی برکت سے فائدہ اٹھائیں تاہم محدثین اور شارحین حدیث نے اس میں یہ شرط بھی لگائی ہے کہ یہ برکت تب ہوگی جب کھانے والوں میں ایثار کی صفت بھی ہو یعنی ہر ایک چاہے کہ دوسرا ساتھی اچھا کھانا کھالے اور اچھی طرح کھالے اگر کھانے والوں میں یہ بات نہ ہو تو پھر اس برکت کا کوئی استحقاق نہیں ہے۔

خط و کتابت کرتے وقت
خریداری نمبر اور پتہ صاف صاف
لکھا کریں

مچھروں سے مکمل نجات حاصل کیجئے

ویپ

ماسکیٹو میٹ

ALSO APPROVED IN AMERICA BY U.S. ENVIRONMENTAL PROTECTION AGENCY WASHINGTON D.C.

جاپان کی وزارت صحت سے منظور شدہ

مولانا سعید الرحمن علوی

قرآن مجید اور اس کے تراجم

ذیل کا مقالہ اگرچہ ایک فارسی ترجمہ کے تعارف کیلئے لکھا گیا ہے مگر درحقیقت وہ قرآن مجید کے تراجم کی ایک مرحلہ وار مختصر مگر جامع تاریخ ہے تاہم مقالہ نگار کی تمام آراء اور تعبیرات سے اہل علم کا اتفاق ضروری نہیں، لہٰذا علمی اور تحقیقی نقد وجرح کو بھی اسی اہتمام سے شائع کیا جائیگا

قرآن اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو اس نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل کیا۔ (دائرۃ المعارف جامعہ پنجاب ج ۱/۱۶ ص ۳۱۸)

یہ اللہ تعالیٰ کی وہ آخری، زندہ اور لازوال کتاب ہے جو آخری رسول، امام برحق اور معصوم آخر کے ذریعہ نسل انسانی کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی لفظ "قرآن" خود قرآن میں ۶۷ مرتبہ آیا ہے (دائرۂ معارف ج ۱/۱۶ ص ۳۱۹) ۔ اس کتاب کو قرآن کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کی وجوہات اس طرح ہیں۔

الف : یہ آیات اور سورتوں کا مجموعہ ہے۔

ب : انبیائے سابقین پر نازل شدہ کتب وصحف کی تعلیمات کا عطر اور خلاصہ اس میں جمع کر دیا گیا۔

ج : اس میں قصص وواقعات، اہم سابقہ حالات وحوادث اوامر ونواہی اور وعدہ ووعید وغیرہ کو مناسب انداز سے جمع کیا گیا ہے۔

د : علوم ومعارف کا عمدہ ترین مجموعہ ہے۔ (فیروزآبادی ج ۴ ص ۲۶۲)

امام ابن جریر طبری کے بقول، اللہ تعالیٰ نے اس کے چار نام ذکر فرمائے۔ القرآن، الفرقان، الکتاب الذکر (دائرہ معارف ج ۱/۱۶ ص ۳۱۹) القرآن کی وجہ تسمیہ اوپر ذکر ہوگئی الفرقان کی وجہ تسمیہ اس طرح ہے کہ اس میں حق وباطل کے درمیان خط امتیاز کھینچ دیا گیا (دیکھیں سورۃ الفرقان آیت ۱) الکتاب بایں وجہ ہے کہ ـــ یہ مکتوب ہے اور اسے باقاعدہ ضبط تحریر میں لایا گیا۔ (البقرہ آیت ۲)

الذکر اس لیے کہ ـــ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پند ونصائح سے نوازا ہے حدود وفرائض پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی ہے اور اسرار وحکم کی پردہ کشائی فرمائی۔ (الزخرف آیت ۴۴)

ان چار ذاتی اسماء کے علاوہ ۳۲ کے لگ بھگ اسماء بطور صفات اہل علم نے ذکر کیے اور یہ سارے کے سارے خود قرآن مجید میں موجود ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں دائرہ معارف ج ۱/۱۶ ص ۳۲۱-۳۲۰)

بہت سے علماء نے صفاتی نام اس سے زائد مثلاً ۵۰ یا ۹۱ بھی بتلائے اور ذکر کیے۔ (بصائر

از فیروز آبادی ص ۸۸ تا ۱۵)

حضور سرورِ کائنات، قائدنا الاعظم الاکرم، معصوم آخر، نبی برحق محمد عربی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ و سلامہ کی زبان مبارک سے النجاۃ، حبل اللہ المتین، المرشد، المعدل، الرافع، صاحب المومن، کلام الرحمٰن جیسے صفاتی نام اس کتاب مقدس کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ (دائرۃ المعارف ج ۱۶/۱ ص ۴۲۱)

رمضان میں اور رمضان کی مخصوص رات لیلۃ القدر میں "نزول قرآن" کا ذکر خود قرآن میں آیا۔ (البقرہ: ۱۸۵۔ القدر: ۱) اس کا مفہوم یہ ہے کہ۔

الف: اس رات میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نزول ہوا۔

ب: جتنا آنے والے سال میں قلب نبوت پر نازل ہونا ہوتا اتنا ہی اس رات میں لوح محفوظ سے اترتا۔

ج: نزول کا آغاز اس رات میں ہوا۔ دائرۃ المعارف ج ۱۶/۱ ص ۴۲۵۔

اور جہاں تک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اترنے کا تعلق ہے وہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اس کی مدت قریباً ۲۳ سال ہے یعنی بعثت کے بعد کا دور جس میں سے ۱۳ سال مکہ معظمہ میں گذرے تو ۱۰ برس مدینہ منورہ میں رہے"

اس کتاب مقدس کا نزول جس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا اسی طرح اس کی جمع و ترتیب اور قرأت و بیان کی ذمہ داری بھی خود اللہ تعالیٰ نے لی۔ (دیکھیں سورۃ القیامہ: آیت ۱۶ تا ۱۹)

اور پھر ہر طرح سے اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی (الحجر ۹)

اس کی زبان جس طرح ساری دنیا جانتی ہے "عربی مبین" ہے اور خود قرآن میں اس پہلو کو مختلف پیرایوں سے واضح کیا گیا ہے۔ دیکھیں الشعراء آیت ۱۹۲ تا ۱۹۶۔ یوسف آیت ۲)

عربی زبان کے انتخاب کی وجہ بہت سادہ اور سیدھی ہے کہ جو قوم سب سے پہلے قرآن اور پیغمبر اسلام کو مخاطب تھی اس قوم کی زبان یہی تھی ایک قاعدہ کلیہ قرآن مجید میں یہ بیان کیا گیا۔

"اور ہم نے کوئی پیغمبر دنیا میں نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ اپنی قوم ہی کی زبان میں پیام حق پہنچانے والا تھا تاکہ لوگوں پر مطلب واضح کردے، پس اللہ جس پر چاہتا ہے (کامیابی کی) راہ گم کر دیتا ہے، جس پر چاہتا ہے کھول دیتا ہے، وہ غالب ہے حکمت والا (سورۃ ابراہیم آیت ۴ ترجمہ مولانا ابو الکلام مطبوعہ دہلی ج ۲ ص ۵۰۵)

اس سیدھے سادے اور مسلمہ اصول کی روشنی میں قرآن کے لیے عربی زبان میں ہونا ہی لازم تھا۔

لیکن اس کے مفاہیم ومطالب محض اس زبان تک محدود نہیں رہ سکتے تھے کیونکہ جس ذات اقدس واطہر پر یہ نازل ہوا، وہ محض اہل عرب کے لیے رہنما اور ہادی بن کر نہیں آئی تھی۔ بلکہ وہ ساری بنی نوع انسان کے لیے ہادی ورہنما اور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو متعدد مقامات پر ذکر کیا (مثلاً۔ دیکھیں سورۃ الاعراف آیت ۱۵۸، سورہ سبا آیت ۲۸، سورۃ الانبیا آیت ۱۰۷۔ وغیرہ)

جس کا معنی یہ ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہونے والا پیغام ساری بنی نوع انسان کے لیے تھا اور بنی نوع انسان کا معاملہ بھی ایسا تھا کہ کسی خاص مدت وزمانہ کی انسانی برادری نہیں بلکہ صبح قیامت تک کی انسانی برادری ــــ اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی دوسرے لاتعداد انبیاء ورسل صلوات اللہ تعالیٰ علیہم وسلامہ کی طرح نہیں تھے کہ ایک ایک وقت میں دنیا کے مختلف حصوں اور علاقوں میں نبی ہوں اور ایک کے بعد دوسرا تشریف لاتے ــــ بلکہ اللہ تعالیٰ نے وہ سانچہ ہی توڑ دیا جس میں نبی بنائے جاتے اور حضور اقدس ؐ کی ذات گرامی کو ختم نبوت ورسالت کے تاج سے مفتخر فرما کر دنیا میں بھیجا جیسا کہ الاحزاب کی معروف آیت ۴۰ کے علاوہ قرآن کریم کی کم و بیش ایک سو آیات اور خود آپ کے دو سو کے لگ بھگ ارشادات اس سلسلہ میں بطور دلیل پیش کیے جا سکتے ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد نسل انسانی کی سب سے زیادہ محترم اور مقدس جماعت صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ہے اور ایک زمانہ اس پر گواہ ہے کہ اس گروہ پاکبازاں نے اپنے آقا و قائد کے بعد سب سے پہلے جس مسئلہ پر اجماع کیا وہ یہی ختم نبوت کا مسئلہ تھا۔ یہ اجماع زبانی کلامی نہ تھا بلکہ اس کے لیے اکابر صحابہ نے بڑی تعداد میں اپنے خون کا نذرانہ پیش کیا۔

ختم نبوت کا مسئلہ ایسا حساس ونازک ہے کہ دور صحابہ کے بعد امت کے سب سے بڑے محدث فقیہ اور نکتہ رس عالم حضرت الامام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "کسی مدعی نبوت سے دلیل نبوت مانگنے والا بھی دائرہ اسلام سے خارج ہوگا"۔ اور جنوبی ایشیاء کے سب سے بڑے عالم اور مجدد وقت حضرت الامام ولی اللہ الدھلوی قدس سرہ نے ان تمام چور دروازوں کی نشاندہی کی جن کے ذریعہ اس منصب پر ڈاکہ ڈالا جا سکتا ہے ــــ امام ولی اللہ کے بقول کسی بھی شخصیت کو رسول مکرمؐ کے بعد ــــ ہر چند کہ وہ اپنی ذات میں کتنی ہی محترم اور صاحب فضیلت ہو۔ کوئی ایسا مقام دینا جو نبوت کا خاصہ ہے، یہ بھی ختم نبوتؐ سے انحراف اور غداری اور صحیح تر الفاظ میں کفر وارتداد ہے ــــ مثلاً کسی شخصیت کو معصوم ماننا کہ عصمت، نبوت کا لازمہ ہے، ایسا جو نبوت سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا ــــ اس لیے کسی بھی غیر نبی کو معصوم کہنا کفر ہوگا اور ختم نبوت کے

عقیدہ سے انحراف، بغاوت اور غداری ـــ تفصیل کے لیے "ازالۃ الخفاء" ملاحظہ فرمائیں۔

بہرطور قرآن مجید اور پیغمبر اسلام کی اس حیثیت یعنی صبح قیامت تک کے لیے رہنمائی کے پیش نظر لازم اور ضروری تھا کہ قرآن مجید کے مطالب، مفاہیم اور اس کے علوم و معارف کی اشاعت کا وسیع پیمانہ پر اہتمام و انتظام ہو، اس ضرورت کے پیش نظر لاتعداد علوم و معارف مدون و مرتب ہوتے، قرآن مجید کے دنیا کی ہر زبان میں تراجم ہوئے، ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے، تفاسیر لکھی گئیں، حواشی سپرد قلم ہوئے اور وہ کچھ ہوا کہ ایک کائنات بس گئی اور عقل انسانی دنگ رہ گئی۔

قرآن مجید کے حوالہ سے جو کام ہوا اور اس کی نسبت سے جو علوم و معارف مدون و مرتب ہوتے ان کی تفصیل کے لیے ایک دفتر درکار ہے، ہم اپنے محترم قارئین کو توجہ دلائیں گے کہ وہ اگر جامعہ پنجاب سے شائع ہونے والے انسائیکلو پیڈیا کی جلد ۱۶/۱ کا وہ مقالہ جو قرآن مجید کے حوالہ سے ص ۳۱۸ سے شروع ہو کر ص ۶۱۷ تک پر پھیلا ہوا ہے، اسے دیکھیں تو بہت سی ضروری معلومات انہیں ایک ہی جگہ مل جائیں گی۔ بہرحال اشاعت و تبلیغ قرآن کے حوالہ سے ایک پہلو تراجم کا ہے ـــ ہم نے ایک جدید فارسی ترجمہ کے تعارف کی غرض سے ہی اتنی طویل تمہید کا سہارا لیا۔ تراجم قرآن مجید کے عنوان کے تحت دائرۃ المعارف کے مقالہ نگار کا کہنا ہے اور بالکل صحیح کہ۔

"قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا، قرآن کے مخاطب اول اور سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے عرب ہی تھے، بعد ازاں اسلام جہاں جہاں پہنچا، قرآن مجید بھی ان کے ساتھ پہنچا اور قرآن مجید نے اپنی زبان کی سیادت تسلیم کرائی، قرآن مجید کی خاطر نومسلم اقوام نے عربی زبان کو اپنایا اور اسے مادری زبان کے برابر حیثیت دی، پھر امتداد زمانہ سے ایک ایسا دور آیا کہ عوام کو سمجھانے کے لیے قرآن مجید کے ترجمے کی ضرورت محسوس کی گئی" (ج ۱۶/۱، ص ۶۱۲)

حضور سرور کائنات محمد عربی خاتم النبیین والمعصومین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کے یاران طریقت اور خادمان ذی وقار میں ایک نام حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے ـــ یہ وہ خوش قسمت انسان ہیں جنہیں سرزمین ایران میں سے سب سے پہلے قبول اسلام کی توفیق میسر آئی، ۵ھ میں "جنگ خندق" (غزوہ احزاب) میں "خندق" کی کھدائی انہی کے مشورے سے ہوئی، سیدنا الامام حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سعادت میں سرزمین ایران فتح ہوئی، اس مہم کے سالار عشرہ مبشرہ کے جلیل المرتبت صحابی اور حضور رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ کے ماموں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے ـــ حضرت سلمانؓ

اس مہم میں نمایاں طور پر شریک تھے ـــــ ان کے متعلق حضرت الامام السرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا کہ انہوں نے اپنی قوم کے لیے قرآن مجید کے بعض حصوں کا فارسی ترجمہ کیا (مبسوط۔ کتاب الصلوٰۃ)

اس حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ سب سے پہلے جس زبان میں قرآن کا مکمل یا جزوی ترجمہ ہوا وہ فارسی زبان ہے۔ خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں کی نمایاں خلافت، خلافت بنوامیہ ہے، مشہور لیڈر سر آغاخان نے بنوامیہ سے اپنے نظریاتی اختلاف کے باوصف جناب محمد حارث کی کتاب "گریٹ دی دی بنوامیہ" میں اس خلافت کے علمی کارناموں کا کھلے دل سے اعتراف کر کے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ان کارناموں سے ملت کو آگاہ کرنا لازم ہے۔ معروف مفکر اور روشن دماغ عالم مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں۔

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے ساتھ السابقون الاولون کا دور اقتدار ختم ہوتا ہے اور اب عربوں کی قومی حکومت شروع ہوتی ہے، جب اسلام کی تحریک کی حفاظت عربوں نے اپنا قومی مسئلہ بنا لیا تو ظاہر ہے کہ اسلام سے پہلے قریش کے جس خاندان کے ہاتھ میں اقتدار تھا وہ برسرعروج ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں کی قومی حکومت کی قیادت بنوامیہ کو ملی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت مسلمان عربوں کی قومی حکومت کا بہترین نمونہ تھی اور اس میں شک نہیں کہ وہ مسلمان عربوں کے بہت بڑے آدمی تھے۔ عام عربوں کا رجحان بنوہاشم کے مقابلہ میں امویوں کی طرف زیادہ تھا اور اس کے اپنے اسباب تھے، خلافت راشدہ کے بعد امویوں کا اقتدار میں آنا، اموی دور اسلام کی بین الاقوامی تحریک کے ارتقا کی ایک لازمی کڑی کا حکم رکھتا ہے، ہمارے تاریخ نگاروں نے بنوامیہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور بنوامیہ کے سیاسی مخالفوں نے بھی جو بعد میں ان کے تخت و تاج کے وارث بنے انہیں بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ پہلے ہم بھی بنوامیہ کے خلاف اپنے مورخوں کی باتیں پڑھ کر متاثر ہو جاتے تھے لیکن اب جو ہم نے دنیا کی انقلابی تحریکوں کا بغور مطالعہ کیا اور ایک انقلابی تحریک کو جن جن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، ان کو جانا تو ہم پر اموی دور کی اصل حقیقت واضح ہو گئی ہم نے بنوامیہ کی غلطیوں کو تو خوب اچھالا لیکن ان کی حکومت کی جو اچھائیاں تھیں ان کا اعتراف کرنے میں بخل سے کام لیا۔ بے شک امویوں نے اسلامی حکومت کو قومی اور عربی رنگ دیا لیکن انہوں نے اسلام کے بین الاقوامی فکر کو اپنی حکومت کے تابع نہ بنایا، چنانچہ عہد اموی میں اسلام کا سیاسی مرکز دمشق تھا لیکن ذہنی اور علمی مرکز مدینہ ہی رہا۔ دوسرے لفظوں میں اسلامی فکر کی بین الاقوامیت بحال رہی۔" (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند۔ ستمبر ۱۹۹۲ء)

انہی ظلوم بنوامیہ کے دور میں بربر زبان میں قرآن مجید کے مکمل ترجمہ کا ثبوت ملتا ہے جسے قرآن مجید کا اوّلین ترجمہ شمار کیا گیا (ج ۱/۱۶ ص ۶۱۳)

ترجمہ کے حوالہ سے لفظی اور تفسیری و معنوی کی دو قسمیں ذکر کی گئی ہیں اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ ترجمہ میں دو مکتب فکر نمایاں ہیں ایک مسلمانوں کا مکتب فکر، دوسرا غیر مسلموں کا، علماء نے اپنے اپنے ملکوں کی زبان میں قرآن فہمی کے لیے ترجمے کیے، تاکہ ہر شخص اس کو سمجھ سکے اور اسے عمل کا موقعہ میسر آئے اس کے برعکس غیر مسلموں نے اور ان کے مذہبی رہنماؤں نے بالمقصد اپنے لوگوں کو غلط تاثر دینے کے لیے تراجم کیے، کہا جاتا ہے کہ مغربی زبانوں میں پہلا ترجمہ راہبوں کے سربراہ پطرس کی فرمائش پر انگلستان کے فاضل رابرٹس نے لاطینی زبان میں ۱۱۴۳ء میں کیا۔ پروفیسر آربری نے اس ترجمہ کو غلطیوں اور غلط فہمیوں کا پلندہ قرار دیا اور "متعصبانہ بدنیتی" پر مبنی قرار دیا۔ قرآن مجید کا فرانسیسی ترجمہ ۱۶۴۷ء میں ہوا۔ انگریزی زبان کا ایک قابل اعتناء ترجمہ جارج سیل نے ۱۷۳۴ء میں کیا۔ دائرۃ المعارف کے فاضل مقالہ نگار نے بہت سے تراجم کا ذکر کیا جو مختلف مغربی زبانوں میں ہوئے بالخصوص انگریزی میں۔

"لیکن اسلامی زاویہ نگاہ سے کوئی ترجمہ بھی قطعی طور پر قابل اطمینان اور لائق اعتماد نہ تھا، انگریزی زبان میں قابل اعتبار ترجمہ قرآن مجید پہلی مرتبہ ایک نومسلم انگریز محمد مارڈیوک پکتھال کے قلم سے ۱۹۳۰ء میں لندن سے شائع ہوا۔" (ج ۱/۱۶ ص ۶۱۴)

قریب ترین عہد میں جناب محمد اسد مرحوم روڈ ٹو مکہ کے فاضل مؤلف کے ترجمہ کو مسلم اہل نظر بہت اہمیت دے رہے ہیں، اس ترجمہ کی شستگی روانی اور سلاست کے ساتھ ملحقہ نوٹس اتنے جاندار اور قیمتی ہیں کہ کرشمہ دامن دل میں کشد والی بات ثابت آتی ہے عراقی، اطالوی، ہسپانوی سمیت دنیا کے ہر خطہ و علاقہ کے لوگوں نے اپنی اپنی زبان میں تراجم کیے۔ ایشیا کے مختلف ممالک اور خطوں کی قریب قریب ہر زبان فارسی، ترکی، اردو، پشتو، سندھی، بنگالی، پنجابی، ہندی وغیرہ میں بھی بڑی تعداد میں تراجم ہوئے۔ ہمارے سامنے ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء کی وہ فہرست (وہ بھی بڑی حد تک نامکمل) موجود ہے جسے دائرۃ المعارف کے مقالہ نگار نے ترتیب دیا اس فہرست کے مطابق دنیا کی ۸۰ زبانوں کے تراجم کا ذکر ہے۔ (ج ۱/۱۶ ص ۶۱۵ - ۶۱۴)

ہمارے نزدیک ہی نہیں، ہم تو طالب علم ہیں ہر صاحب نظر کے نزدیک یہ فہرست بہت ہی تشنہ ہے، بہر حال یہ قابل قدر کام ہے، اب اس فہرست پر لگ بھگ ۱۶ برس ہو چکے ہیں اور اس